© rasailojaraid.com

از ارشادات حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ کراچی

دین اور تجدد کی کشمکش

راولپنڈی کے معززین شہر کی طرف سے
حضرت مولانا کے اعزاز میں دی گئی پرتکلف
استقبالیہ میں مولانا مدظلہ نے ۲۰ جون ۱۹۷۶ء
کو ہرسن کلب راولپنڈی میں جو تقریر
ارشاد فرمائی اس کے اہم حصے یہاں پیش
کیے جا رہے ہیں۔

ادارہ

علماء حق کا فریضہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا نے معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

حضرات! آپ نے جس محبت اور گرمجوشی سے مجھے استقبالیہ کی دعوت دی، میرے دل میں اس کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ کسی عالم سے محبت کرنا اس کے گوشت پوست اور جسم و قالب سے محبت نہیں بلکہ اس مقصد سے محبت کا اظہار ہے جو اس عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے میں اگر یہ کہوں تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس طرح آپ نے دین اسلام، ایمانی جذبے کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ جس کو جتنا ہی سراہا جائے اتنا ہی کم ہے۔

حسن اتفاق سے آج تاریخ اسلام کا وہ اہم دن ہے جس میں سرور دو عالمؐ اس دنیا میں تشریف لائے۔ چونکہ آج یہاں ہمارے جمع ہونے کا مقصد اللہ کے دین کے غلبے کے متعلق غور و فکر کرنا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کے لئے آج کا دن نہایت موزوں ہے۔

جہاں تک میری نظر بندی کا تعلق ہے جس سے رہائی کی بنا پر آپ نے مجھے یہ استقبالیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ علماء کے سر کا تاج اور ان کی زینت کا باعث ہے۔ علماء کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے۔ کہ انہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کے اعلان کے لئے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ان سے نہ صرف ان کے مقام کو رفعت اور بلندی نصیب ہوئی ہے۔ بلکہ دین کی عزت اور وقار میں بھی پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس نظر بندی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حضرت یوسفؑ، دیگر انبیائے کرام اور اکابرین امت کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ جب قوم غفلت کی نیند سو جاتی ہے تو فطرت کی طرف سے اُسے جگانے کے لئے کوئی ایسی تکلیف آتی ہے۔ جس سے قوم کے مردہ اور سرد جذبات میں زندگی اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ امتداد وقت اور دوسرے حالات نے جن نقوش کو دھندلا دیا تھا۔ وہ از سر نو ابھر آتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعے کے بعد پورے ملک میں لوگوں میں اسلامی جذبہ زیادہ بیدار ہو چکا ہے ـــــ

ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ نظر بندی کی اصل وجہ کیا تھی؟ اسمبلیوں کے اندر تو یہ کہہ دیا گیا۔ کہ اس کا بتانا مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب مفاد عامہ تھا۔ جبکہ ہر شخص اس گرفتاری کے پس منظر سے واقف تھا۔ ہمیں روز اول سے معلوم تھا کہ یہ راستہ آسان نہیں۔ بلکہ کانٹوں سے معمور ہے۔ علماء اللہ کے رسولؐ کے جانشین ہیں۔ اس طرح ان کا عہدہ تو بڑا ہے۔ لیکن انہیں مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ ارباب اقتدار اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ کام ان کے شایان شان نہیں۔ یہ گھٹیا کام تو ایک تھانیدار بھی کر سکتا ہے ـــــ اقتدار والوں کا کام تو ملک کی عزت و وقار بنانا۔ اسکی تعمیر کرنا اور اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ اس کا کام مسائل کو سلجھانا ہے، الجھانا نہیں۔ مسائل کو حل کرنا ہے، انہیں تشنہ چھوڑنا نہیں۔ ہماری نظر بندی کا اصل سبب رویت ہلال کا مسئلہ نہیں، بلکہ دین پسندوں اور تجدد پسندوں کی کشمکش ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان میں دونوں طبقوں نے شانہ بشانہ کام کیا۔ لیکن دونوں کی منزلیں الگ الگ تھیں۔ تجدد پسندوں کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے زیر سایہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ہم نہ تو اعلیٰ عہدے اور منصب حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ ہمیں اسمبلیوں میں شرکت کا موقع مل سکتا ہے۔ وغیرہ اور بس۔ ان لوگوں کو اسی دن اپنی منزل مل گئی جس دن پاکستان عالم وجود میں آیا۔ لیکن ایک گروہ وہ بھی تھا جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی پیروی میں اللہ کے ... جہاد کر رہی تھی۔ اس گروہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حضرت شبیر احمد عثمانی، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ شامل تھے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے تو بہت پہلے پاکستان کی حمائت کا اعلان کر دیا تھا۔ ہمیں اس وقت لوگ کہتے تھے کہ تم ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہو۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ایک مرتبہ تقسیم سے چند ماہ پیشتر مجھ سے فرمایا "مولانا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے۔ اور پھر ملکی انقلاب۔ اور آپ ملکی انقلاب پہلے لا رہے ہیں۔ اور ذہنی انقلاب بعد میں لانا پڑے گا۔" ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کو قرآن و سنت کے لئے تیار نہ کیا جائے۔ اسلامی نظام قائم ہونا محال ہے۔ یہ کام بڑی محنت اور مدت اور ایثار و قربانی چاہتا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھیوں کی منزل محض آزادی تھی۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر عہدے اور نشستیں حاصل کر سکیں۔ لیکن دین پسند عناصر کے سامنے ایک دشوار منزل تھی اور وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ چنانچہ علماء کی جد و جہد ختم نہیں ہوئی وہ جاری ہے۔ اس میں طریق کار مختلف ہیں۔ مقصد ایک ہے۔ بعض کے نزدیک اصلاح کا مؤثر ذریعہ اقتدار ہے۔ اس لئے قانونی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ ضروری ہے۔ بعض علماء حکومت سے تعاون کو خیر و فلاح کا موجب سمجھتے ہیں لیکن ۱۸ سال میں رونما ہونے والے واقعات و حالات سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کی نظر میں نہ یہ درست نہ وہ۔ ارباب اختیار نے اپنے طرز عمل سے واضح کر دیا ہے کہ علماء کو "ملا ازم" کی گالی دے کر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ملک غلام محمد مرحوم نے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم سے کہا مولانا آپ کو اپنی روش بدلنا پڑے گی۔ ورنہ نوجوان بھڑک اٹھیں گے۔ اور کہیں پاکستان کا بھی اسپین والا معاملہ نہ ہو۔ انہوں نے کہا، ملک صاحب مجھے سپین سے نہ ڈرائیے۔ بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلاف اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اُسے ملک چھوڑنا پڑا۔ حالات کے مشاہدہ کی بنا پر مجھے اندیشہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ غلط ثابت ہو کہ اس ملک میں مذہب اور اقتدار کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی غیر متوقع صورت حال نہیں، ہمارے ذہن اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ مسلمان رہنما جو پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اور وہ مسلمان تھے یہ رائے رکھتے تھے کہ مسلمان رہنما اسلام کا سبز باغ دکھا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم کے ساتھ نیو دہلی میں ایک سرکاری افسر کے یہاں رات عشاء کے بعد بارہ بجے تک پاکستان کے موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس مجلس میں اسد ملتانی مرحوم کے علاوہ ایک اور صاحب بھی تھے، جو اب سرکاری ملازمت سے ریٹائر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو چکے ہیں۔ مولانا سیہاروی نے فرمایا کہ قرآن و سنت پر مبنی نظام رائج کرنے کے لئے پاکستان تو بہت بڑا ہے۔ میں تو ضلع گڑگانواں کو بھی کافی سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر پاکستان میں قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور نظام ہی رائج کرنا ہے۔ تو پھر مرکز کی تقسیم سے کیا فائدہ۔؟ ۔ ے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے　　تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ہم نے کہا کہ ہمیں معلوم تھا۔ صرف لٹنے کے خدشے کی بنا پر پھول کھلے بغیر نہیں رہ سکتے بقول شاعر

خزاں آتی ہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے　　مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے

جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں　　مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انہیں چھلنا ہی پڑتا ہے

جب مجھے سرکاری آدمی گرفتار کرنے آئے تو سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے کوئی رنج یا فکر نہ تھا۔ کیونکہ۔

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح　　نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

میں آپ سے ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک شیدائیانِ اسلام قید و بند کے مرحلوں سے نہیں گذریں گے اسلامی نظام قائم نہیں ہوگا۔ یہاں سوال صرف پانچ علماء کا نہیں بلکہ اس سرزمین میں ہر حق گو آدمی یا تو قید و بند میں ہے۔ یا سخت مشکلات کا شکار ہے۔ مولانا غلام اللہ خان کا تصور اس کے سوا کیا ہے کہ انہوں نے رقص و سرود کے خلاف آواز اٹھائی اور آج وہ اپنے آبائی قصبے دریا میں نظر بند ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم بھی قید ہیں اور خوشامدی علماء بھی۔ فرق یہ ہے کہ ہمارا جسم قید میں ہے، اور ضمیر آزاد ہے۔ جبکہ ان کا جسم آزاد ہے، اور ضمیر قید۔ در اصل حق و صداقت کو طوق و سلاسل سے دبانے سے قاصر ہیں ۔ ے

کٹ جائیں گے زنداں میں اسیری کے یہ دن بھی　　احساس تو وابستۂ زنجیر نہ کیجیے

خواجہ ناظم الدین مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانی سے کہا تھا۔ کہ مولانا پچھلے دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں خدا کی ہستی پر رائے شماری ہوتی ہے۔ آج اس ملک میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ کمیونزم، سوشلزم، رقص و سرود کے لئے آزادی ہے۔ اگر نہیں تو اس دین کے لئے نہیں جس کی اساس پر مملکت پاکستان کی تشکیل کی گئی، کس قدر شرم کی بات ہے یہ۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں اہل سنت، اہل حدیث کا طبقہ ہی اکثریت رکھتا ہے۔ اور انہوں نے ہی تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں دیں۔ باقی گروہوں نے کوئی قربانی نہیں دی خصوصاً پاکستان میں حنفی فرقہ اکثریت رکھتا ہے۔ اگر کسی کو حنفی ضابطہ ناپسند ہے۔ تو وہ اسے ترک کر سکتا ہے۔ لیکن اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فرقوں اور گروہوں کے عقائد و اعمال میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح کی بجائے سارا زور اصلاح اسی ایک مسلک پر صرف کرنے لگے۔ یہ اس لئے کہ حکومت کسی فرقے کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتی۔ کوئی اپنے رہنما کو خدا بنا رہا ہے۔ کوئی مصنوعی نبوت چلا رہا ہے۔ لیکن ہر ایک کو چھٹی ہے۔ کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ صرف حنفی ضابطہ پر چلنے والے ہی کیوں معتوب ہیں۔ ـــــــ کبھی ہم اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن آج ۔؟ ـــــــ میں بطور تنزل ایک بات کہتا ہوں"

کل تو روتے تھے اپنے دامن کو اے جنوں آج آستیں بھی نہیں

آج تو انگریز کی دی ہوئی مذہبی آزادی بھی برقرار نہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر اس ملک میں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہے تو پھر اکثریتی حنفی فرقے کو بھی اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ ورنہ علماء اور مشائخ حسب دستور آج بھی جیلیں بھر دیں گے۔ لیکن حنفی ضابطے میں تبدیلی گوارا نہیں کریں گے۔ اور حق گوئی ترک نہیں کریں گے۔ حکومت کی خواہش ہے۔ کہ جس طرح سیاست میں بی ڈی سسٹم رائج ہے۔ اسی طرح دین میں بھی بی ڈی سسٹم رائج کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ اہل پاکستان کا اعتماد اپنے علماء سے جائے گا تو بتائیے قوم ایسے ضمیر فروش علماء سے کیسے مسئلہ پوچھے گی ـــــ پھر یہ کہ عالم نے اگر قرآن وسنت کی صحیح ترجمانی نہیں کی تو اس نے دراصل حضرت محمدؐ کی روح کو تکلیف پہنچائی ہے۔ قرآن وسنت کی ترجمانی اور حق گوئی علماء کا فریضہ ہے۔ اسی کی ادائیگی میں حکومت کی عزت پوشیدہ ہے۔ رہائی کے بعد میں نے ایک دن جامع مسجد دہلی کی ریڈیائی تقریر سنی جس میں انہوں نے ہندوستان میں مذہبی آزادی کے موجود ہونے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی پاکستان کے متعلق بتایا کہ وہاں رویت ہلال کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث جید علماء کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اگر حکومت یا ماہنامہ "فکر ونظر" کے یتیم الفکر ایڈیٹر کی خواہش کے مطابق پاکستان میں کوئی صاحب کردار عالم باقی نہ رہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہبی قیادت ہندوستان کے علماء کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ دونوں ملکوں کی جنگ کی صورت میں ہندوستان کے علماء تو جہاد کا فتویٰ دینے سے رہے۔ اور جہاں تک پاکستان کے علماء کا تعلق ہے۔ لوگ ان کی چیخ وپکار بھی نہیں سنیں گے۔ کیونکہ ان کی نظروں میں بے کردار علماء کا کیا وقار رہ جائے گا۔ خان لیاقت علی خان مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانی سے کہا مولانا میں حال ہی میں مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے واپس آرہا ہوں، میں نے دیکھا کہ ہزاروں طلباء علم دین حاصل کرنے کے لئے بھارت دیوبند وغیرہ جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو طالب علم آٹھ دس سال تک بھارت رہے اس کا ذہن پاکستان سے کیسے مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔ ہمیں ایسے عالم کی ضرورت ہے جو ہماری سرزمین پر ہی علم حاصل کرے، یہیں پلے بڑھے اور یہیں عالم بنے۔ اس لئے آپ یہاں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عظیم الشان دار العلوم بنائیں تقریباً اسی قسم کے حالات کا سعودی عرب کی حکومت کو سامنا کرنا پڑا۔ جہاں کے نوجوان ازہر یونیورسٹی سے عالم بن کر آتے تھے۔ لیکن جب مصر اور سعودی عرب کی ٹھن گئی تو سعودی حکومت نے فوراً مدینہ یونیورسٹی قائم کر دی اور آج ہمارے ارباب ودست عربی و دینی مدرسوں کو ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے وہ اپنے ان ارادوں میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا بتوں کے مٹانے سے مٹتا نہیں ہے
اسے مٹنے میں وہ مٹ جائیں گے خود کہ یہ نقش سجدہ ہے قشقا نہیں ہے

اگر یہاں سے طالب علم دوسرے کسی علاقے میں تحصیل علم کے لئے جائیں گے تو بیرون ملک پاکستان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ پاکستان میں تو دین کے علم کا نام و نشان تک نہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ ؎

ذرا رفتار کو بدلو کہ دل پامال ہوتے ہیں یہ ہم بھی جانتے ہیں آمد فصلِ جوانی ہے

اگر پاکستان کے علماء کا وقار بنے گا اور ان کا کردار بے عیب ہوگا تو نہ صرف ملک کی عزت قائم ہوگی بلکہ اس سے عوام پر بھی اچھا اثر پڑے گا، ان کی سیرت کی اصلاح ہوگی۔

پیر محسن الدین صاحب (ایم این اے) نے ابھی ابھی بالکل درست فرمایا ہے کہ منتشر قوت بے اثر ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار حال ہی میں عرب اسرائیل جنگ سے بھی ہوا ہے۔ لیکن یہاں میں ذرا مختصراً بتانا چاہتا ہوں کہ علماء کی باہمی چپقلش کا سبب کیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چند سالوں تک علماء کرام باہم متفق رہے بلکہ ہم نے کراچی میں اکتیس چوٹی کے علماء کو جمع کیا اور سب نے اتفاق رائے اسلامی دستور کا خاکہ تیار کیا۔ ۵۵-۱۹۵۴ء کے بعد فرقہ بازی شروع ہوئی اور اسکی باعث اس وقت کی حکمران جماعت تھی۔ سہروردی صاحب اور سکندر مرزا صاحب کے خیال میں اگر دین پسند عناصر متحد ہو گئے تو پھر یہ لوگ حکومت پر قابض ہو جائیں۔ اس سوچ کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عجیب انداز سے فرقہ وارانہ اختلافات شروع ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ الجھے رہیں تو ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع حاصل رہے۔ اس لئے علماء اور عوام دونوں سے کہتا ہوں کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے۔ فروعی مسائل میں اختلاف میں شدت نہ کیجئے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے۔ اسی راہ پر چل کر ملک میں اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ حکومت اگر بعض مذہبی فرقوں کے سربراہوں کو سرکاری مہمان بناتی ہے۔ انکا شان و شوکت کیساتھ استقبال کیا جاتا ہے۔ بعض کی آمد پر سرکاری حکام انکے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ خواہ یہ لوگ پاکستان کے کسی مسئلہ میں حمایت کریں یا نہ۔ ایک فرقے کے رہنما فوت ہوتے ہیں تو سرکاری افسر اسکے جنازے میں شریک ہوتے ہیں لیکن ہمیں گلہ ہے کہ تحریک آزادی کے مجاہد عطاء اللہ شاہؒ اور مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات پر کسی سے تعزیت کا اظہار تک نہ کیا جا سکا۔ حالانکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر فرقے کے

© rasailojaraid.com